دلائل معرفت خدا، مقدماتی مسائل

ثاقب اکبر☆

عقیدۂ توحید نقلی نہیں عقلی ہے

اصولی طور پر ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ مسئلہ توحید نقلی نہیں عقلی ہے۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کو اس لیے مانتے ہیں کہ فلاں کتاب میں یہ مسئلہ یوں آیا ہے یا فلاں بزرگ نے بتایا ہے یا نبی پاکؐ نے بتایا ہے۔

دین کے دو حصے

دین کے دو حصے ہیں ایک کو ہم اصول دین کہتے ہیں اور دوسرے کو فروع دین۔ اصول دین: ''اصول'' اصل کی جمع ہے اور ''اصل'' جڑ کو کہتے ہیں۔ فروع دین: ''فروع'' فرع کی جمع ہے اور ''فرع'' شاخ کو کہتے ہیں۔ گویا اصول دین، یعنی دین کی جڑیں اور فروع دین یعنی دین کی شاخیں۔ جڑوں کا تعلق دین کے عقائد سے ہے۔ بنیادی طور پر تین ہی عقائد ہیں توحید، نبوت اور معاد (قیامت)۔ بعض علماء نے عدل اور امامت کو بھی اصول دین کے طور پر بیان کیا ہے البتہ عدل کو ہم توحید کی بحث اور عقیدے کا ہی ایک جزء سمجھتے ہیں اور امامت کی بحث کو رسالت اور نبوت ہی کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔

اصول کا مسئلہ تقلیدی نہیں ہے۔ اسے عقل و دانش اور بصیرت سے سمجھنا چاہیے۔ اگر کہا جائے کہ فلاں بات قرآن میں آئی ہے تو جو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہے اُس کے لیے وہ بات قابل قبول ہو گی۔ ہاں اگر قرآن نے دلیل عقلی پیش کی ہے تو اُسے مانا جاسکتا ہے۔ اسی طرح محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان پر بھی وہی کان دھرے گا جو آپؐ کو رسول اللہ مانتا ہے۔ پہلے آپؐ کی رسالت پر ایمان ضروری ہے پھر آپؐ کے فرمان پر کان دھرنے کی نوبت آتی ہے۔

آپؐ تشریف لائے اور آپؐ نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا۔ ہر شخص آپؐ سے اس دعوے کا ثبوت مانگنے یا جاننے کا حق رکھتا ہے۔ آج کے مسلمان کو بھی حق ہے کہ وہ دلیل سے اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کو قبول کرے۔ حق ہی نہیں بلکہ ہم ایسا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور بغیر دلیل کے توحید اور رسالت کو تسلیم کر لینا یا کسی بھی خاص نبی کی نبوت کو مان لینا انسانی عقل و خرد کی توہین کے مترادف ہے۔

عام طور پر دنیا میں دیکھا جائے تو مختلف مذاہب کے پیروکاروں کی اکثریت بغیر تحقیق کے اپنے اپنے ادیان و مذاہب سے وابستہ ہے۔ ہم مسلمان بھی عموماً دیگر ادیان یا مذاہب کے ماننے والوں کی طرح نبوت و رسالت یا توحید کو مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ پہلے مرحلے میں عقلی مسائل ہیں۔ ہمیں تحقیق کرکے یہ جاننا چاہیے کہ کیا آنحضرتؐ اپنے اس دعوے پر برحق تھے یا کیا واقعی یہ قرآن آپؐ پر آسمان سے نازل ہوا ہے؟ قرآن کو ماننا، توحید کو ماننا اور رسالت کو ماننا عقلی دلائل کے ساتھ ثابت ہونا چاہیے۔ جب ہم نے ان کو عقلی طور پر درست مان لیا تو پھر ان کی پیروی کا مرحلہ آتا ہے۔

اگر وہ چیزیں جن کی پیروی کرنے کا قرآن اور پیغمبرؐ ہمیں حکم دیتے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں بھی آتیں تو چونکہ ہم نے اصولی طور پر جب ان کی حقانیت کو مان لیا ہے اس لیے ہم انھیں بھی تسلیم کریں گے اور یہ صورت مکمل طور پر عقلی ہے۔ کسی کے کہنے پر دین اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ماں باپ اس دین پر تھے یا ہم ایسے ماحول میں پیدا ہوئے ہیں جہاں کے لوگ فلاں دین پر ہیں، درست نہیں۔ یہ وہ دلیل ہے جو رسالت مآبؐ کے دور میں بھی لوگ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی دین پر پایا ہے

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا۔ (1)

یعنی: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اُس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کچھ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آبا کو پایا ہے۔''
اس لیے یہ جو ہماری دعوت ہے جو انبیاء کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے علیٰ وجہ البصیرۃ ہے۔ اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا:
قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔ (2)
کہیے یہ ہے میرا راستہ، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، (عقل و دانش اور) بصیرت کی بنیاد پر اور یہی کام میرے پیرکار بھی کرتے ہیں۔
یعنی یہ دعوت عقل و فہم اور بصیرت کی بنیاد پر ہے۔ انھوں نے خود بھی لوگوں کو بصیرت کے ساتھ دعوت دی اور ہم بھی نبی پاکؐ کے پیرکاروں کی حیثیت سے یہ دعوت بصیرت کے ساتھ لوگوں کو دے رہے ہیں۔ یہ آپ کے فہم و فراست اور عقل کو دعوت ہے۔

معرفت الٰہی کے دلائل

وجود الٰہی اور توحید الٰہی کے اثبات کے لیے عام طور پر تین طرح کے دلائل اور ذرائع سے استفادہ کیا جاتا ہے۔
(۱) فطرت کے ذریعے سے: کیا خود انسان کی فطرت اللہ کی معرفت کی طرف متوجہ کرتی ہے؟
(۲) مخلوق کے ذریعے سے: جیسے قرآن میں ہے کہ کائنات پر غور کرو، اونٹ پر غور کرو، ستاروں پر غور کرو، چاند اور سورج پر غور کرو۔ روایات میں بھی اشارہ ہے جیسے حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں چیونٹی کی ساخت کے بارے میں متوجہ کیا ہے کہ یہ کس طرح سے ہے اور یہ کس طرح سے اپنا رزق اکٹھا کرتی ہیں۔ یہ راستہ مخلوق کے ذریعے سے خالق تک پہنچنے کا ہے۔ استاد مرتضیٰ مطہری کے نزدیک خود اس دلیل کی تین قسمیں ہیں:

(i) دلیل نظم (ii) دلیل ہدایت (iii) دلیل خلقت

(۳) فلسفی دلیل سے
ذیل میں ہم مخلوق کے ذریعے سے قائم کی گئی دلیلوں میں سے بعض کی وضاحت کرتے ہیں۔
دلیل نظم: اس کے مطابق اس کائنات کا نظام مرتب شدہ ہے۔ ہر شے اپنے مقام پر قائم ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو اس کائنات کے نظام میں فساد برپا ہو جاتا۔ یعنی درہم برہم ہو جاتا۔ قرآن حکیم کی یہ دلیل عقلی ہے:
لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (3)
گویا اس کائنات کا نظم بھی خدا کے وجود پر ایک دلیل ہے۔ یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں اگر اس کا وزن زیادہ ہو جائے تو سائنسدان متفق ہیں کہ کوئی دوسرا سیارہ اس سے آ ٹکرائے گا کیونکہ حجم زیادہ ہونے کی صورت میں اس کی کشش ثقل میں اضافہ ہو جائے گا اور اگر اس کا وزن کم ہو جائے تو زمین کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا جائے گی۔ اس طرح اس کائنات کا یہ توازن اس کے نظم کی دلیل ہے۔
دلیل ہدایت: اس دلیل کے مطابق جو چیز بھی اللہ نے پیدا کی ہے اسے زندگی گزارنے کے لیے ہدایت بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ جیسے شہد کی مکھی کے لیے اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ اللہ نے اسے وحی کی ہے کہ پہاڑوں کے اوپر جا کر اپنے چھتے بنائے:
وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (4)
یعنی: ''اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں، درختوں اور جو بیلیں لوگ لگاتے ہیں پر اپنے چھتے بنا پھر تمام پھلوں سے کھا پھر اپنے رب کے آسان راستوں پر چلتی رہ تو اُس کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا ایسا شربت نکلتا ہے جس میں انسانوں کے لیے شفا ہے یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانی ہے۔''

آیت کا آخری حصہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کا ذکر اپنی معرفت کی دلیل کے طور پر ہی کیا ہے، یہ بتاتے ہوئے کہ کس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اس کی جبلت میں اس کے لیے درکار ہدایت رکھ دی ہے۔ اس ہدایت کو جبلت میں رکھنے کو وحی کرنا قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خلق ہونا ایک الگ دلیل ہے اور ہدایت ملنا ایک الگ دلیل ہے۔

عقیدۂ توحید کی اہمیت

خداوند کریم نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ہماری توجہ اس امر کی طرف مبذول کروائی ہے کہ جتنے بھی انبیاء کرام آئے انھوں نے لوگوں کو اسی ایک نقطے کی طرف متوجہ کیا کہ لائق عبادت ذات صرف اللہ کی ہے جس کی صفت وحدہ لاشریک لہ ہے۔ انبیاء کا پیغام ہے:

قولولا الہ الا اللہ تفلحوا (5)

یعنی: ''اس امر کا اقرار کرو کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں تو فلاح پا جاؤ گے۔'' اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیتا ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَO قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَO لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (6)

ترجمہ: ''(اے نبی!) کہیے کہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی ہدایت کی ہے جو ایک درست دین ہے اور جو خالص و مخلص ابراہیم کا مسلک ہے اور جو شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ کہیے کہ یقیناً میری نماز، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اس اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔''

یعنی اللہ کے نبیوں کو یہی حکم تھا کہ وہ اُس کے حضور اقرار کریں کہ وہ مخلص ہو کر صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اپنی زندگی کے ہر کام کو اللہ کے لیے بجالائیں گے اور ان کا مرنا جینا صرف اور صرف اللہ کے لیے ہوگا جس کا کوئی شریک نہیں۔

شرک کو معاف نہیں کیا جائے گا

ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس دعوت توحید کی کتنی اہمیت ہے۔ قرآن مجید یہاں تک کہتا ہے کہ ہر گناہ معاف کیا جاسکتا مگر شرک معاف نہیں کیا جاسکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا۔ (7)

یعنی: ''اگر اُس کا کسی کو شریک گردانا جائے گا تو یقیناً اللہ معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہوگا جسے چاہے گا معاف کردے گا اور جس نے اللہ کا شریک قرار دیا تو یقیناً اس نے جھوٹ باندھا (ایسا جھوٹ) جو بہت بڑا گناہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نہیں معاف کرے گا اگر اس کی ذات میں یا اس کی صفات میں کسی کو شریک کیا گیا۔ گویا اللہ کو کسی صورت میں شریک برداشت نہیں ہے۔ یعنی اللہ اپنی توحید پر اور اپنے ساتھ شرک نہ کیے جانے کے مسئلے پر بہت سخت ہے۔ یقیناً جس نے شرک کیا وہ کھلی گمراہی میں جا گرا۔ سورہ توحید کے بارے میں ہے کہ اگر اسے تین بار پڑھیں تو پورے ختم قرآن کا ثواب ہے۔ اس سورہ میں توحید ہی توحید ہے یعنی پورے کا پورا قرآن اس سورہ مبارکہ کے اندر ہے۔

چنانچہ اصل نکتہ اور روح دین توحید شناسی اور توحید پرستی ہے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص دین کو مانتا ہے، فلاں نہیں مانتا، اس کا بنیادی مقصد اور معنیٰ ہے کہ فلاں شخص خدا کو مانتا ہے اور فلاں نہیں مانتا۔ گویا دین ہے ہی توحید کا نام۔ جو یہ نظریہ رکھتا ہے کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی ذات ہے جو اسے بنانے والی ہے، اس نظام کائنات کو چلانے والی ہے، ہم اسے کہتے ہیں کہ وہ دین کو مانتا ہے۔ مذہب کو ماننے یا نہ ماننے کا انحصار توحید کو ماننے یا نہ ماننے پر ہے۔ یاد رکھیے اگر مذاہب یا ادیان میں کہیں اختلافات پیدا ہوئے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ خدا شناسی میں کہیں بھول ہو گئی ہے۔ جو بھی اختلافات ہیں وہ دراصل معرفت خدا کے خالص نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

یہ جو قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم کو حنیف کہا گیا ہے اس کا مطلب ہے وہ خالص اور مخلص موحد ہیں۔ انبیاء اللہ کے خالص اور مخلص بندے تھے۔ انبیاء اللہ کی خالص توحید کا اقرار کرنے والے تھے۔ ہر نبی ہمیں کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ تم مجھے مانو یا نہ مانو میں تو اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تمھیں ایک خدا کی طرف بلاؤں۔ اُن میں سے ہر کوئی یہ کہتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ انا اول المسلمینیعنی سب سے پہلے میرا سر اس کی بارگاہ میں جھکا ہوا ہے۔ مسلم کا معنی ہے سر تسلیم خم کر دینے والا۔ جو اللہ کا حکم ہو اسے مان لینے والا، اسے دل و جان سے تسلیم کرنے والا۔

سورہ حمد میں پیغام توحید

سورہ حمد قرآن حکیم کا سرنامہ ہے اسے سورہ فاتحہ بھی کہا جاتا ہے۔ "فاتحہ" فاتح کی مونث ہے۔ فاتح کا معنی ہے کھولنے والا۔ ہم حضرت علیؑ کو فاتح خیبر کہتے ہیں اس لیے کہ انھوں نے خیبر کا دروازہ کھول دیا۔ یہ سورہ مجیدہ چونکہ قرآن کا سرنامہ ہے یہ قرآنی حقائق کو کھول رہی ہے اور اس سے معارف قرآنی کے بیان کا آغاز ہو رہا ہے۔ اسے سورہ فاتحہ کہا جاتا ہے چونکہ "سورہ" کا لفظ مونث ہے، اس لیے اسے فاتحہ کہا گیا ہے۔
رسول پاکؐ کی زندگی میں ہی اسے سورہ فاتحہ کہا جاتا تھا۔ یہ آپ کی نماز کے لیے بھی فاتحہ ہے یعنی نماز کا افتتاح بھی اس سورہ سے ہوتا ہے اور اس سورہ کو نماز میں پڑھنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اسے پہلی اور دوسری رکعت میں ضرور پڑھا جائے اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ اس میں توحید، اللہ کی وحدانیت، اس کی ربوبیت اور قیامت کے دن کا ذکر ہے۔
اس میں دین کی ماہیت کو کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ اس سورہ کی روح اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کی وحدانیت کا بیان ہے اور اس میں اسی صراط مستقیم کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے اور اسی راستے کو ان لوگوں کا راستہ قرار دیا گیا ہے کہ جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے اور جن لوگوں نے توحید پرستی کے اس راستے کے خلاف راہ اپنائی اور وہ راہ ہدایت کے راہیوں کے راستے میں سد راہ بنے انھیں مغضوب علیہم قرار دیا گیا ہے اور ایک بندہ مومن سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے ایسے لوگوں کے راستے سے بچنے اور دور رہنے کے لیے اپنے اللہ کے حضور دعا کرتا ہے۔ مغضوب علیہم کے مصادیق کے پیروکاروں کو ضالین قرار دیا گیا۔ گویا ان لوگوں کے راستے کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس راستے سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سورہ کے اندر روحانیت کے ایک مکمل منشور کا ذکر کیا گیا ہے اور غضب یقیناً انہی پر ہوتا ہے جو شرک کا راستہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہے۔ بہت سارے گناہ ہیں جن سے اللہ غضبناک ہوتا ہے لیکن اگر گناہ شرک پر مبنی نہ ہو تو انسان کی بخشش ہو سکتی ہے مگر جب اللہ شرک کی وجہ سے کسی پر غضب ناک ہوتا ہے تو پھر اس میں درگزر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور بخشش کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ غضب الٰہی کا سب سے بڑا موجب شرک ہے۔ مغضوب علیہم کا واضح ترین مصداق وہ لوگ ہیں جو خود بھی شرک کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی شرک کی دعوت دیتے ہیں اور جو ان کی اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں وہ الضالین کے زمرے میں آجاتے ہیں کہ یہ گمراہ لوگ ہیں۔

سورۂ کافرون کے نزول کا پس منظر

اسی ذیل میں سورہ کافرون کا پس منظر بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے اور وہ کچھ اس طرح ہے کہ کچھ کافر لوگ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمدؐ! ہم آپ کی اللہ پر ایمان لانے کی دعوت کو قبول کرتے ہیں مگر وہ جو ایک بت ہے ہمیں اسے پوجنے کی اجازت دیں۔ انھوں نے کہا کہ ایک روز اس اللہ کی عبادت کر لیتے ہیں جس کی آپ دعوت دیتے ہیں اور ایک روز سب فلاں بت کی عبادت کر لیتے ہیں اس پر سورہ کافرون نازل ہوئی اور واضح طور پر اعلان کیا گیا کہ یہ ممکن نہیں۔
تم بے شک اپنے دین پر رہو اور جس کی تم عبادت کرتے ہو کرتے رہو اور جس کی ہم عبادت کرتے ہیں ہم کرتے رہیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے اس ایک اللہ کے علاوہ اللہ کے رسول اور مسلمان کسی اور کی عبادت کریں۔ انبیاء کے دین میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو الہ ماننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (8)

حضرت علیؑ کی توحید پرستی اور محبت رسولؐ

تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ رسول پاکؐ نے خود اپنے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کے بت توڑے اور بت پرستی کے خلاف عملاً آواز اٹھائی۔ خانہ کعبہ میں ایک بت جو بلندی پر تھا جہاں تک نہ آپؐ کا ہاتھ جاتا تھا اور نہ عصا اس کے لیے آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر اس بت کو توڑ دو۔ حضرت علیؑ نے مہر نبوت پر سوار ہو کر خانہ کعبہ میں موجود اس بت کو توڑ دیا۔ حضرت علیؑ کا مقام اور آپ کی رسول اللہؐ سے محبت دیکھیے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ نے اس صلح نامہ کے آغاز میں "محمد رسول اللہ" لکھا تو کفار نے کہا کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہی نہیں ہیں لہٰذا صلح نامہ کے آغاز میں "محمد رسول اللہ کی جانب سے" لکھنا ہمیں قبول نہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ "یہ محمد رسول اللہ" کاٹ کر" محمد بن عبداللہ" لکھ دو۔ حضرت علیؑ یہ کلمہ کاٹنے کا حوصلہ نہ کر سکے لہٰذا رسول اللہ نے خود اسے کاٹ دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو رسول اللہؐ سے کتنی محبت تھی۔ آپؑ ہی شب ہجرت تلواروں کے سائے میں رسول اللہؐ کے بستر پر سو گئے، اس نیت سے کہ اللہ کے رسولؐ کی جان بچ جائے۔ یہ جو کعبہ سے بتوں کو توڑا گیا اور رسول اللہ نے اپنے کندھوں پر علی کو سوار کر کے بت زمین بوس کروایا اس سے رسول اللہؐ نے امت کو یہ پیغام دیا کہ شرک کے خاتمے کے لیے رسول اللہ کے کندھے بھی حاضر ہیں۔ گویا سب کچھ منظور ہے مگر شرک اور بت پرستی کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

آیئے دیکھیے علیؑ کی توحید پرستی کہ جب جنگ خندق میں، جس کا ذکر قرآن نے جنگ احزاب کے نام سے کیا ہے، حضرت علیؑ نے ایک کافر کو قتل کرنے کے لیے گرایا جس کا نام عمرو عبدود تھا، اس نے دیکھا کہ اب بچنے کی کوئی سبیل نہیں تو نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اس نے حضرت علیؑ کے چہرے پر گستاخی کی یعنی تھوک دیا۔ آپؑ اس کے سینے سے الگ ہو گئے۔ وہ حیران ہو گیا۔ اس نے پوچھا علی! تم نے مجھے قتل کرنے کے لیے گرایا تھا تو پھر تم نے مجھے چھوڑ کیوں دیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے صرف اللہ کی رضا کے لیے قتل کر رہا تھا جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو میں نے نہیں چاہا کہ تمھیں قتل کرنے میں میرا غصہ بھی شامل ہو جائے کیونکہ میں تو یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں۔

حضرت علیؑ جب نماز کے لیے اللہ کے حضور کھڑے ہوتے تھے تو خشیت خدا سے آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور آپ جو کھدر کا لباس پہنتے تھے اس سے آپ کے رونگٹے باہر نکل آتے تھے۔

افسوس تو اسی بات کا ہے کہ توحید کے ان علمبرداروں کو لوگوں نے نہ سمجھا اور بعض عاقبت نااندیشوں نے ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی اور انھیں اللہ کہنے لگے حالانکہ یہ لوگ اللہ کے حضور سجدہ گزار تھے اور سجدہ اللہ کی عبودیت کے اعتراف اور اس کی کبریائی کے سامنے پیشانی کو جھکانا ہے۔ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ تو اتنا عظیم ہے کہ یوں تیرے سامنے اپنی سب سے بلند چیز کو جھکائے ہوئے ہوں اور تیری کبریائی کے گیت گا رہا ہوں۔ کتنا مشکل ہوتا ہے کسی کے سامنے ہاتھ بھی پھیلانا پھر اس کے سامنے جھک جانا جبکہ سجدہ ریز ہو جانا تو عاجزی کی انتہا ہے اور پھر ماتھا بھی خاک پر رکھنا اس سے بڑھ کر عاجزی کا اظہار اور کیا ہو سکتا ہے۔ فقہا یہ کہتے ہیں کہ مٹی پر سجدہ کرنا مستحب ہے اور زیادہ باعث فضیلت ہے۔

اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے بندے کا اپنے آقا کے حضور اظہار عجز وانکساری۔ نماز ساری کی ساری اس خالق کے حضور عاجزی و انکساری اور اس کی برتری کو تسلیم کرنے کی ایک خوبصورت شکل ہے۔ یہ جو دو سجدوں کے درمیان استغفر اللہ ربی واتوب الیہ کہا جاتا ہے اس چیز کا اظہار ہے کہ اس پیشانی کو تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی بارگاہ میں جھکا رہنا چاہیے تھا، میں نے یہ ماتھا اس کے قدموں سے کیوں اٹھا لیا۔ یہ کہہ کر انسان پھر سجدے میں چلا جاتا ہے گویا پہلی مرتبہ سر اٹھانے کی تلافی کرتا ہے۔ یہ علامتی باتیں ہیں جو روح نماز کا اظہار کرتی ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میری جتنی بھی کنیتیں ہیں مجھے ان میں سے "ابوتراب" زیادہ اچھی لگتی ہے۔ ایک دفعہ آپ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے بدن پر مٹی ہی مٹی تھی رسالت مآب نے دیکھا تو فرمایا "یا اباتراب" یہیں سے یہ آپ کی ایک کنیت ہو گئی۔ اس کا لفظی معنی

ہے ” اے مٹی کے باپ “ حضرت علیؑ کو اس کنیت کا زیادہ محبوب ہونا اول تو پیغمبر اکرمؐ سے آپ کی والہانہ محبت کا اظہار ہے اور ثانیاً اس سے آپؑ کی عاجزی و انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔

امام زین العابدینؑ اور عبادت الٰہی

حضرت امام زین العابدینؑ کی دعائیں جو صحیفہ کاملہ میں موجود ہیں انھیں پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان ہستیوں کے نزدیک تصور توحید کیا ہے اور یہ اپنے رب کو کس طرح سے پکارتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے خطبات جو نہج البلاغہ میں موجود ہیں انھیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نظریۂ توحید کیا ہے اور کس طرح اللہ کی توحید کی حقیقت ان پر آشکار تھی۔ اللہ کی عبادت کے لیے ان کا بے قرار رہنا معرفت الٰہی میں ان کی گہرائی ہی کا غماز تھا۔

آئمہ اہل بیتؑ کس طرح اپنے خدا کے حضور مناجات کرتے ہیں۔ یہ ہستیاں کس طرح راتوں کو جاگتی ہیں اور خدا کو پکارتی ہیں۔ وہ اس کی حیثیت اور عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے بے قراری کے عالم میں آنسو بہاتے ہیں۔ امام زین العابدینؑ رات کی تاریکی میں بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر اللہ کی یاد میں کس طرح گڑگڑاتے ہیں اور مناجات کرتے ہیں۔ یہ پیغام ہمیں ان سے ملا ہے کہ اللہ کو کس طرح یاد کیا جانا چاہیے۔ امام زین العابدینؑ کو زین العابدین اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ عبادت خدا کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ عبادت گزاروں کے لیے زینت بن گئے۔ ان کے ماتھے پر کثرت سجود کی وجہ سے گھٹے پڑ جاتے تھے جنھیں کٹوانا پڑ جاتا تھا۔ اللہ کے حضور سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ہی آپ کو سید الساجدین بھی کہا جاتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ اور خشیت الٰہی

حضرت امام مالک بن انس جو اہل سنت چار معروف فقہا میں سے ایک ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک حج میں، میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ تھا جب آپ احرام باندھنے لگے اور اللّٰھم لبیک کہنے لگے تو میں نے دیکھا کہ آپ کا رنگ زرد ہو گیا اور آپ غش کھا کے گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو پھر اللّٰھم لبیک کہنے لگے اور پھر یہی حالت ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا اور ہم نے پوچھا یابن رسول اللہ ! یہ آپ کی کیا حالت ہے تو آپ نے فرمایا: میں اس بات سے ڈرتا ہو کہ میں کہوں اے اللہ میں حاضر ہوں اور وہ کہے کہ تو کہاں حاضر ہے۔

ہماری حالت

آج مسلمانوں کی صورت حال کیا ہے اور ہم اپنے رب کی معرفت اور قرب کے لحاظ سے کہاں کھڑے ہیں، یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے۔ آج ہم مسلمانوں کی بھی دیگر اقوام کی سی حالت ہو چکی ہے۔ ہم خود ساختہ باتوں پر یقین رکھ کر اللہ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے۔

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ (9)

یعنی: ” ہر گروہ اپنے ہی امتیازات اور اپنی ہی بنائی ہوئی باتوں میں مگن ہے۔ “

اہل کتاب کو دعوت اتحاد کی بنیاد

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم قرآن حکیم کو سامنے رکھتے جو کہتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (10)

یعنی: ” کہیے اے اہل کتاب آؤ اُس ایک بات پر اکٹھے ہو جائیں جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ کوئی اللہ کے سوا دوسرے کا رب بنے۔ “

یہ اہل کتاب کون ہیں؟ یہ وہی ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اہل کتاب وہ ہیں جو قرآن کو سچی آسمانی کتاب نہیں مانتے۔ اہل کتاب وہ ہیں جو خانہ کعبہ کو قبلہ نہیں مانتے۔ ان سے کہا گیا ہے آئو اس ایک بات پر جمع ہو جائیں جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے یعنی توحید نظری اور عملی حوالے سے۔ اس سے ثابت ہوا کہ توحید کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ جو لوگ آخری رسولؐ، قرآن، کعبہ اور مسلمانوں کے دیگر عقائد اور عبادات کے نظام کو نہیں مانتے انھیں بھی اس ایک عقیدے پر متفق ہونے اور مل جل کر رہنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ اللہ کو ایک ماننا اور اس کی وحدانیت میں کسی کو شریک نہ کرنا نیز عملی زندگی میں ایک دوسرے کا رب بننے کی کوشش نہ کرنا کتنا اہم اور ضروری ہے۔

امام حسینؑ کا پیغام توحید پرستی

حضرت امام حسینؑ کا فرمان ہے:

ماذا وجد من فقدك وما الذی فقد من وجدك لقد خاب من رضی دونك بدلا (11)

یعنی: "اُس نے کچھ نہیں پایا جس نے تجھے کھو دیا اور اُس نے کچھ نہیں گنوایا جس نے تجھے پا لیا اور جو تیرے بدلے کسی اور پر راضی ہو گیا حقیقت یہ ہے کہ وہ محروم رہا۔"

یہ پیغام حضرت امام حسینؑ نے میدان عرفات میں دیا تھا اور یہی پیغام تھا جو زیر خنجر کربلا میں آپ نے دیا۔ اسی لیے تو علامہ اقبال کہتے ہیں

بھرحق در خاك و خوں غلطیدہ است   پس بنائے لا الہ گردیدہ است (12)

یعنی: "حق کی خاطر وہ خاک و خوں میں غلطاں ہو گئے اسی لیے تو انھیں بنائے لا الہ کہا جاتا ہے۔"

شعائر اللہ

اس لیے ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ کے قریب کر دے اس سے محبت کرنا اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور ہر وہ چیز جس کی محبت اللہ سے دور کر دے اس سے محبت کرنا اللہ سے دور ہونا ہے اور ہر وہ چیز جو سینوں میں اللہ کی یاد کو تازہ کر دے اسے باقی رہنا چاہیے اور ہر وہ چیز جو اللہ سے غافل کر دے اسے خود سے دور رکھنا چاہیے۔ اسی لیے قرآن نے شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ شعائر اللہ کی تعظیم ہی لوگوں کو اللہ کے قریب کرتی ہے لیکن یہ بات مد نظر رہنی چاہیے کہ تعظیم تعظیم کی حد تک ہی رہے، یہ پرستش کا روپ نہ دھارے اور کہیں اصل ذات سے انسان غافل نہ ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ ۵مائدہ: ۱۰۴

2۔ یوسف: ۱۰۸

3۔ ۲۱۔انبیاء: ۲۲

4۔ ۱۶۔ نحل: ۶۸و۶۹

5۔ بحار۔ج ۱۸۔ ص ۱۹۹

6۔ ۶۔انعام: ۱۶۱تا۱۶۳

7۔ ۴۔نساء: ۴۸

8۔ طبرسی، فضل بن حسن: (مجمع البیان، بیروت، دارالمعرفہ، ۱۹۸۶)، ج، ۱۰، ص ۸۴۰

9۔ ۳۰۔روم: ۳۲

10۔ ۳۔آل عمران: ۶۴

11۔ دعائے عرفہ

12۔ اقبال، محمد: کلیات اقبال فارسی (نظم، در معنی حریت اسلامیہ وسر حادثۂ کربلا، (لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، فروری ۱۹۷۳) ص ۱۱۰